قبائل ایک ہی چشمہ یا چراگاہ پر اترتے تھے، وہاں ان میں میل جول بڑھتا اور محبت کے جذبات کا تبادلہ ہوتا۔ ناگزیر وجوہ کی بنا پر جب وہ قبائل منتشر ہو جاتے تھے اور بعد میں جب کبھی ان ویرانوں سے ان کا گزر ہوتا اور ماضی میں جن نازنینوں سے الفت ہوگئی تھی وہ یاد آتیں تو ان کے غم تازہ ہو جاتے اور اس غم جاناں کو وہ اپنے اشعار میں سمو دیتے۔

زمانۂ جاہلیت میں انسان کے ساتھی اونٹ اور گھوڑے تھے۔ یہ سفر و حضر میں ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے تھے، اس لیے اس تعلق کی وجہ سے اُن سے اُنس پیدا ہو گیا تھا۔ ریگستان اور اس کے سراب، جگ مگ کرتے ہوئے تارے، چمکنے والی بجلیاں اس کے لیے سامانِ الفت تھیں اور یہی اس کی کل کائنات تھی۔ شعرِ جاہلی میں صحرائی زندگی کی تصویریں اسی نظر سے لی گئی ہیں۔ اس میں مشاہدات کی بنا پر کوئی بات شعری سانچے میں ڈھالی جاتی، اس میں جذبات و احساسات کم ہی ہوتے تھے۔

عرب شعرا کا موضوع زندہ اور خاموش فطرت تھی۔ زندہ فطرت سے مراد حیوانات ہیں اور خاموش فطرت سے صحرا کے نشیب و فراز، دریا، آسمان، جنگل، وادیاں اور سبزہ زار وغیرہ مراد لیے جا سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے خاموش فطرت کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک طبعی جس میں مرغزار، آسمان کے چمکتے ہوئے تارے، سنسناتی ہوائیں، نالے اور ندیاں شامل ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو انسان کے دستِ ہنرمند سے وجود پذیر ہوئی ہے جیسے عالی شان محلات، حسین اور اونچے اونچے قصور اور مقاماتِ تفریح۔ یہ ضرور ہے کہ خاموش طبیعت یا فطرت سے مراد زیادہ تر وہی نیچرل مقامات ہیں جو دستِ قدرت کی کاریگری کے طور پر نمایاں ہوئے ہیں۔ انہی مقامات سے نیچرل احساسات و جذبات کو الہام ہوتا ہے اور ایسے احساسات اور جذبات وجود پذیر ہوتے ہیں جو ان مقامات کے جمال سے متاثر ہوتے ہیں۔ انسان کی بنائی ہوئی تعمیرات اور کاریگری کے مناظر نیچرل ماحول کا تکملہ ہیں۔ اصلاً یہ فطرت و روح سے دوسری چیزیں ہیں۔ تنہا پرندوں کا ذکر دلکش نہیں ہوتا جب تک ہم ان کو شاخِ گل پر بیٹھے دکھائیں یا پانی پر پھدکتے یا جھاڑیوں میں گھستے دکھائیں۔

خالص فطرت کی عکاسی شاعری میں اونٹ، بھیڑیے، شیر اور اس سے ملتے جلتے دوسرے جانوروں کا ذکر شامل نہیں ہے۔ اگرچہ بعض نقادانِ فن نے اس کو بھی نیچرل شاعری میں شامل کر لیا

ہے، مگر حقیقتاً نیچرل شاعری وہی ہے جو فطرت کی عکاس ہو اور جو فضائے فطرت میں پائی جائے۔ اس سے شاعر کے حسن و خیال میں فراوانی پیدا ہونی چاہیے اور شاعر اپنی گرویدگی کی صورت نگاری کرنے اور اس کے حسن و جمال کا ذکر کرنے کے لیے شعر کہے۔ شاعری میں جب تک اس امر کی تعبیر ہوتی رہے گی اور اس استغراق، فطرت کے جمال کی تصویر، مظاہرِ فطرت سے عشق کا جس قدر مظاہرہ ہوگا اسی قدر اشعار میں چمک پیدا ہوگی۔

عرب شعرا نے عرصۂ دراز سے ذکرِ فطرت ہی نہیں کیا، اس سے محبت کی ہے۔ فطری شاعری ان کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی، لیکن اس عہد میں یہ بحیثیت ایک مستقل فن کے ممتاز نہیں ہوئی تھی۔ عہد جاہلی کے اکثر شعرا خاموش فطرت اور زندہ فطرت کی عکاسی اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔ وہ مناظرِ فطرت کو ایک مصوّر کی آنکھ سے دیکھتے تھے مگر اس کے باوجود فطرت سے محبت صرف ظاہری بنیادوں پر قائم تھی یعنی مناظر فطرت محسوسات کی حد تک ان کے اشعار میں آتے تھے، وہ زیادہ گہرائی میں غوطہ زن نہیں ہو پاتے تھے۔ عہدِ جاہلی کا سب سے بڑا شاعر امرؤ القیس مناظرِ فطرت کے سامنے خاموش نظر نہیں آتا۔ اس نے رات کی تصویر اپنے اشعار میں پیش کی ہے۔ گویا اس کے ستارے "مزبل" پہاڑ سے باندھے گئے ہیں۔ برق کی چمک کو ہاتھوں کی حرکت سے تشبیہ دی ہے۔ اس نے باد و باراں کا بھی ذکر کیا ہے، وہ ٹیلوں پر گھرا ہے اور یادِ ماضی میں رو رہا ہے۔

جب عرب بدویانہ زندگی سے نکل کر متمدن زندگی میں داخل ہوئے اور زندگی کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوئے، محلات اور "حور و قصور" کی فراوانی نے ان کی نظر کو وسیع کیا، گلستانوں کے حسن و جمال سے آشنا ہوئے تو ان کی شاعری میں ارتقا ہوا۔ لیکن اس وقت بھی عرب کی شاعری میں فطرت نگاری کو ایک مخصوص اور مستقل فن و موضوع کی حیثیت حاصل نہ ہوئی تھی۔ اس دور کی شاعری میں غزل، مدح، جانوروں کے شکار کی سعی اور شراب کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس عہد میں شاعری اپنے عناصر کے مقابلے میں بدلی ہوئی تھی۔

عباسی عہد میں فطری شاعری میں نئی زندگی یعنی شراب و کباب، لہو و لعب کا ذکر ہے۔ اگرچہ عہدِ عباسی کے شعرا مناظرِ فطرت کے حسن کو دقتِ نظر اور پسندیدگی کے ساتھ پیش کرتے تھے لیکن

اس وقت بھی ان کو یہ قدرت حاصل نہیں تھی کہ اپنے اندرونی تاثرات کو شعر کا جامہ پہنا سکیں۔ وہ لگے بندھے وصف اور الفاظ سے کام لیتے تھے۔ تصنع اور تکلف کو شاعری کے لیے ضروری سمجھا جانے لگا یہاں تک کہ شاعری کا انحطاط ہوا۔ پھر بھی اس دورِ انحطاط میں ابو تمام، بحتری، ابن الرومی کا نام لیا جا سکتا ہے جو اس بات پر قدرت رکھتے تھے کہ فطرت کی مادی توصیف کے ساتھ ساتھ احساس و ذوق سے کام لے کر فطری شاعری کے جمال میں غوطہ زن ہوتے اور محبت کے جذبات سے شاعری کو پرکشش بنا دیں۔ ان شعرا نے فطرت کی تصویر بڑے نشاط، زندگی اور فریفتگی سے اپنے اشعار میں کھینچی ہے۔ ابن الرومی ہی کی مثال لیجیے، اس نے سورج کے غروب ہونے کی جو تصویر کشی کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ادیب کی منظر کشی سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ اس کا وجدان بھی اس میں شریک ہے۔

لیکن اگر ہم نیچرل شاعری اور مناظرِ قدرت کی عکاسی کو اپنی اصل حقیقت و ہیئت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ صرف مسلم اسپین تھا جو گیارھویں صدی عیسوی میں اپنے حقیقی حسن و جمال کے ساتھ اس کو آفرینش میں لا سکا۔ مناظرِ فطرت کی فراوانی اندلس میں نیچرل شاعری کو جوبن پر لائی۔ کیونکہ شعر الطبیعة (نیچرل شاعری) اور مناظرِ فطرت میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ آپس میں مل جاتے ہیں اور ان میں فرق یا تقسیم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اندلس کے مناظرِ فطرت کے بارے میں وہاں کے ایک شاعر نے لکھا ہے کہ "عیش کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا لطف کہیں ہے تو وہ اندلس ہی میں ہے، جہاں خوشی دلوں کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاتی۔ اندلس کے سوا کسی اور ملک میں زندگی کا مزا نہیں ہے اور نہ کسی اور جگہ شراب پینے میں لطف آتا ہے۔ یہاں کی سرزمین سے کوئی ملک کیوں کر ہمسری کر سکتا ہے، جب کہ یہاں درختوں کے سائے اور پانیوں کے ہلکورے ہر دم مے نوشی پر اکساتے ہیں۔ یہاں کے سبزہ زاروں کو دیکھ کر آنکھوں میں تازگی کیوں نہ پیدا ہو، کہ جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صناعِ ازل کی بنی ہوئی ریشمی چادریں گوشوں تک بچھا دی گئی ہیں۔ یہاں کے دریا چاندی کے، زمین مشک کی، سبزہ زار ریشم کے اور سنگریزے موتیوں کے ہیں۔ یہاں کی ہوا میں خاص لطافت ہے، جس کو ذرا چھو کر نکل جاتی ہے، وہ کیسا ہی سنگ دل اور بے حس کیوں نہ ہو خود بخود نرم ہو کر پگھل جاتا ہے اور طرح طرح کی امنگیں اس کے دل میں جوش مارنے لگتی ہیں۔ یہاں جب نسیم چلتی

ہے اندر شبنم کے قطرے جیسی ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ چاروں طرف گلاب کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔ اندلس دوسرے ملکوں سے الگ تھلگ اور ممتاز ہے۔ اس لیے کہ سمندر کا پانی چاروں طرف سے اس کے گرد محیط ہے اور یہ شاداب ملک ایک پری جمال معشوق کی طرح اس کی گود میں بیٹھا ہوا ہے۔

"میدانوں میں پھول خوشی سے مسکراتے، پرندے چہچہاتے اور درختوں کی نرم و نازک شاخیں رقص کرتی ہیں۔ میں نے اس ملک میں زندگی کی باگ ڈھیلی کر دی ہے۔ میرے نزدیک یہی ملک ہے جس کو لطافت اور رونق کے سبب سے گلستان کہہ سکتے ہیں اور اس کے سامنے دوسرے تمام ملک جو سطح زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔"

دوسری وجہ یہ ہوئی کہ دولت کی فراوانی اور زندگی گزارنے کے سامان آسائش کی دستیابی نے انھیں ایک بے پروا اور عیش و مسرت بھری زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا۔ شہوانی اور نفسانی خواہشات اور امنگوں کو پورا کرنے کا ایک محرک ملا اور اس پر مستزاد یہ کہ عربوں اور اندلسیوں کے ایک ساتھ رہنے سے بھی شاعری پر خاصا اثر پڑا۔ اموی عرب جو اب تک ذاتی اور قومی برتری کے نشے میں تھے، مغرب میں انھوں نے اس کو بھلا دیا اور اندلسیوں کے ساتھ گھل مل گئے۔ لہٰذا ان حالات کو پیش نظر رکھ کر اندلس میں شاعری کا نکھرنا اور جوبن پر آنا فطری تھا، جس میں شعرا کے نازک و لطیف جذبات و احساسات کو خوب صورتی اور لطافتِ زبان کے ساتھ بیان کیا گیا۔

اندلسی شاعری کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور اموی حکومت سے لے کر گیارھویں صدی عیسوی کے اوائل تک رہتا ہے۔ اس دور میں نیچرل یا دوسری قسم کی شاعری اپنی جاہلیت کے ایام میں تھی کیونکہ اس دور کے اندلسی شاعروں نے مشرقیوں کے نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھا تھا، چنانچہ انھوں نے بھی طرز مشرق کو اختیار کیا اور اسی طرح شاعری کرنے لگے۔ اس دور کے شعرا میں ابن ہانی، ابن دراج القسطلی اور ابن عبد ربہ مشہور ہیں۔ ابن ہانی نے مشہور عرب شاعر متنبی کی پیروی کی لہٰذا اس کو "مغرب کا متنبی" کہتے ہیں اور ابن عبد ربہ نے "عقد الفرید" لکھ کر مشرقی ادب کا ذخیرہ فراہم کیا۔

دوسرا دور گیارھویں صدی کے اوائل سے لے کر اس کے اواخر پر ختم ہوتا ہے۔ اس عہد میں

گو اندلسی شاعری نے ایک خاص اور واضح شکل اختیار کرلی تھی، مگر پھر بھی مکمل طور پر مشرقی اثرات سے آزاد نہیں ہوئی تھی۔ اس دور کے شعرا اپنے جذبات کو بالکل صاف اور واضح طریقے سے ۲ بیان کرتے ہیں۔ اس دور میں "موشحات" لکھے گئے اور موشحات کے ذریعے شاعری کو بھی ترقی ملی۔ اس دور کے نمائندہ شعرا ابن زیدون اور ابن حمدیس ہیں۔

تیسرا دور بارھویں صدی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جس وقت تک اسپین پر مسلمانوں کا جھنڈا لہراتا رہا۔ یہی وہ دور ہے جس میں اندلس کی فطری شاعری کو ہم اپنے پورے جوبن پر دیکھتے ہیں۔ اس دور کے شعرا نے اپنے احساسات و جذبات، فطرت اور مناظرِ فطرت کو نہ صرف ابھارا بلکہ انھیں ظاہر کرنے کے لیے بالکل واضح طریقِ اظہار اختیار کیا۔ حسنِ زبان و محاورات کے علاوہ خیالات میں بھی جدت اور نیا پن پیدا ہوا۔ اس دور کے مشہور شعرا ابنِ خطیب، ابنِ سہل اور ابنِ خفاجہ ہیں۔

اندلسی شعرا کو جو الفت و محبت اور بے پناہ لگاؤ اپنے وطن سے تھا، اس کی ایک خاص وجہ وہاں کے مناظر تھے۔ وہاں کے سبزہ زاروں اور کہساروں کو دیکھ کر ان لوگوں نے اسے جنت اور اس کے نظاروں پر ترجیح دی۔ یہاں کے شعرا اندلس کے مقابلے میں کسی اور خطۂ ارض کو نہ صرف یہ کہ خاطر میں نہیں لاتے تھے بلکہ اس کو جنگل کہنے سے بھی باز نہیں رہتے۔ اندلس کے شعرا اندلس کو "فردوس بر زمیں" قرار دیتے ہیں۔ وہ اندلس کے مناظر کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ابنِ خفاجہ کے ان اشعار سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے:

یا اهل الاندلس لله درکم — ماءٌ وظلٌ وانهار و اشجار
ما جنة الخلد الا فی دیارکم — ولو تخیرتُ هذا کنت اختار
لا تختشوا بعدها ان تدخلوا سقراً — فلیس تدخل بعد الجنةِ النار

"اے اہلِ اندلس! خدا تمھارا بھلا کرے کیونکہ تمھارے ملک میں پانی، سایہ، نہریں اور درخت ہیں۔ جنت کے باغ صرف تمھارے دیار میں ہیں۔ اگر مجھے اختیار دیا جاتا تو میں اسی کو اختیار کرتا۔ اندلس میں رہنے کے بعد اب تم ڈرو نہیں کہ تم جہنم میں داخل ہو جاؤ گے کیونکہ داخلِ جنت ہونے کے بعد جہنم میں نہیں لے جایا جائے گا۔"

مناظرِ فطرت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اندلس کے تعمیری حسن کو بھی برابر نمایاں کیا گیا ہے۔ منصور بن اعلی الناس نے بجانہ کے محل میں ایک حوض بنا دیا تھا، جس پر سونے چاندی کے درخت اور سنگِ مرمر کے شیر بنے بنے ہوئے تھے۔ پانی درختوں کے کناروں سے بہتا اور شیروں کے مونہوں سے نکلتا تھا۔ اس کی توصیف کرتے ہوئے ابن حمدیس کہتا ہے:

وضراغم سكنت عرين رآسه   تركت خرير الماء فيه زئيرا

وكانما غشي النضار جسومها   واذاب في افواهها البلورا

اسدٌ كان سكونها متحرك   في النفس لو وجدت هنالك مثيرا

شعرا اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی پسند کے مطابق اندلس کے مختلف خطوں کی خوبصورتی کو اپنے اشعار میں جگہ دیتے تھے۔ مختلف شعرا نے ان خطوں کی تعریفیں اپنے اپنے اشعار میں کی ہیں، جہاں وہ سکونت پذیر ہوتے تھے۔ وہاں کی خنک ہواؤں، عطر بیز نسیم سحری اور خوبصورت کیاریوں اور کلیوں سے ان کا جی جھوم اُٹھتا تھا۔ اس مدہوش کن آب و ہوا اور ساحرانہ خوبصورتی کو دیکھ کر ان کی زبان سے ان مقامات کی تعریف میں بے اختیار اشعار نکلتے۔ مثلاً ابن زیدون قرطبہ اور اس کے مضافات کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

انی ذكرتك بالزهراء مشتاقا   والأفق طلق ومرای الارض قد راقا

وللنسيم اعتدال في أصائله   كأنه رقّ لي فاعتل اشفاقا

والروض عن مائك الفضي متبسم   كما شققت عن اللبات أطواقا

شعرا نے جب بھی کوئی غزل کہی یا شراب کی توصیف کی تو انھوں نے اس کے ساتھ فطری مناظر کی بھی عکاسی کی۔ وہ اپنی الفت اور محبت کے احساسات و جذبات مناظرِ فطرت ہی کے پس منظر میں بیان کرتے تھے۔ فطری مناظر کی عکاسی کرتے ہوئے وہ غزل کے خاکوں میں حسن بھرتے تھے۔ کیونکہ فطرت ان کو جام مے نوش کروانے اور تفریح کرانے کے ساتھ ساتھ تخیل کے ارتقا اور ارتکاز کے لیے بھی ایک وسیع میدان فراہم کرتی۔ اندلسی شاعروں نے جب بھی اپنے محبوب کا ذکر کیا ہے تو ان مناظرِ فطرت یا ان جگہوں پر زور دیا ہے جہاں پر محبوبہ ٹھہری ہو، ان شعرا نے ان مقامات کا ذکر اور پھر ان سے جدائی کا بیان اپنی آہوں اور اپنے پُر درد حالات

کے ساتھ کیا ہے۔ یہ خون کے آنسوں روتے ہیں اور ابن زیدون کی زبانی کہتے ہیں:

یا ساری البرق غاد القصر فاسقِ بہ — من کان صرف الهوی والود یُسقینا
ویا نسیم الصّبا بلغ تحیّتنا!! — من لو علی البعد حیا کان یُحیینا
ان الزمان الذی ما زال یُضحکنا — أنسا بقربهم قد عاد یُبکینا
علیك منا سلام الله ما بقیت — صبابة بك تخفیها فتخفینا

اندلسی شعرا کو فطری مناظر میں بھی حسنِ یار دکھائی دیتا ہے اور ان کی محبوباؤں کے سامنے چاند بھی شرما جاتا ہے، مگر اس خوب صورتی کے ساتھ ساتھ اُن کے نزدیک محبت کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ مثال کے طور پر ابن زیدون ہی کے یہ اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں:

یا لیل طل لا أشتکی — الا بوصل قصرك
لو بات عندی قمری — ما بت أرعی قمرك

ان کا محبوب گلستان یا خلد بریں سے کم نہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

یا روضة طالما أجنت لواحظنا — وردا جلاه الصّبا غضّنا ونسرینا
یا جنة الخلد أبدلنا بسدرتها — والکوثر العذب زقوماً وغسلینا

اندلسی شاعری میں عورت کو فطرت کی خوب صورتی کی علامت (SYMBAL) سمجھا جاتا ہے۔ فطرت اپنے حسن کو عورت کے روپ میں جلوہ گر کرتی ہے۔ اسی لیے محبوبہ اکثر مرغزار، باغ یا آفتاب بن کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ جب بھی شعرا نے اپنی محبوباؤں کی مدح میں اشعار زبانِ قلم پر لائے تو انھوں نے بھی محبوبہ کو پھول میں دیکھا اور کبھی نرگس کو اس کا عکس بتایا۔ گلاب کو رخسارِ یار اور چشم نازسے تشبیہ دی ـــ اس طرح سے فطرت اور عورت کے حسن کے درمیان ایک قریبی رشتہ قائم ہوگیا۔ جب جب مناظر فطرت کا بیان آیا تو حسنِ یار نے ضرور جلوہ نمائی کی۔ ان شعرا نے محبوبہ کو ہرن اور اس کے رُخِ روشن کو چاند کہا۔ اس کی نظروں کو چبھتے ہوئے تیر سمجھا۔ ابن بقی کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

بأبی ریم اذا سفرا
اطلعت ازراره قمراً

فاحذروه كلما نظرا

فبالحاظ الجفون قسمي   انا منها بدعض من ضررسا

اندلسی شعرا نے موشحات (یہ صنف شاعری خالص اندلس کی ایجاد ہے۔ جو نویں صدی عیسوی کے اواخر میں مستقل صنعت بن کر نمودار ہوئی۔ اس صنعت میں مختلف قوافی ایک خاص ترتیب کے ساتھ بار بار آتے ہیں۔ کبھی کبھی اس کا وزن بھی عام روایتی انداز و اوزان سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کے بعض اجزا میں عجمی اور عوامی زبان کا استعمال لازمی طور پر ہوتا ہے۔ غنا سے اس کا خصوصی تعلق ہے) میں بھی مناظرِ فطرت، درد و سوزشِ عشق اور اپنے محبوبوں اور محبوباؤں کی خوبصورتی، نزاکت و لطافت کا ذکر کیا ہے۔ ہم ابن اللبانہ کے چند اشعار سے ابتدا کرتے ہیں جن میں وہ محبوبہ کی آنکھوں کو نرگس کے ساتھ اور اس کی گردنِ ناز کو سوسن کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے:

فی نرجس الاحداق   وسوسن الأجياد   بنت الهوى مغروس   بين القنا الميّاد

وفی نقا الكافور   والمندل الرطب

وَالهودج المزرور   بِالوَشی وَالعصب

قُضبٌ مِنَ البلور   حَمِينٌ بالقضب

نادى بها المهجور   مِن شدةِ الحُب

اذابت الأشواق   روحی على اجساد   اعارها الطاؤس   من ريشه ابراد

اسی طرح ابن زہر محبوبہ کی نزاکت، لطافت، لچک اور ہیجان پرور خوب صورتی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ ایک بید کی شاخ ہے جو لچکتی ہے جب سیدھی ہو جاتی ہے، جو اس سے محبت کرتا ہے وہ فرطِ سوزشِ قلب سے رات اس طرح گزارتا ہے کہ اس کا دل برابر دھڑکتا رہتا ہے [illegible] اس کی قوت کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ ناصحانِ سخت گیر کا گلہ کرتا ہے اور اپنی محبوبہ سے کہتا ہے کہ اے اعراض کرنے والی! تیری محبت بہت بڑھ گئی ہے اور اس میں خوب اضافہ ہوا ہے:

غُصن بان مال من حيث استوىٰ

بات من يهواه مِن فرط الجوى

خفق الاحشاء موهون القُوىٰ

کلما فکہا بالعین بکیٰ   وَیحہ یبکی لما لَم یقتح

لیس لی صبر ولا لی جلد

یا لقومِی عذلوا واجتہدوا

انکروا شکوای مما اجدُ

مثل حالی حقہ ان تشتکی   کمد الیاس وذل الطمع

اندلس کی نیچرل شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ نہ صرف انسان درد و محبت اور سوزشِ عشق سے جل رہے ہیں بلکہ چرند پرند اس لاعلاج "بیماریِ دل" کے شکار ہیں۔ ان کے دلوں میں بھی انسانوں کی طرح محبت اور سوزشِ عشق کا جذبہ موجود ہے۔ پرندے بھی اپنی محبوباؤں کے فراق میں خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ انسان جب پرندوں کی اس درد بھری چہچہاہٹ کو سنتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ انسان ان کی آواز سمجھ لیتا ہے۔ اس سے اس کا درد بھرا دل اور زیادہ بے قراری سے دھڑکنے لگتا ہے اور وہ بھی اس آہ و شیون میں شامل ہوتا ہے۔ ابن خفاجہ کے ان اشعار کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

وَما شاقنی الاّ حفیف اراکۃ   وَسَجع حمامٍ بالغمیم ترنّما

وسرحۃ وادٍ هزھا الشوق لا الصَّبا   وَقد صدح العصفور فجراً مهینما

أطفتُ بہا أشکوا إلیہا وَتشتکی   وقد ترجم المکاءُ عنہا فافہما

وَحسبک من صب بکیٰ وحمامۃ   فلم یُدرَ شوقاً أیّہما الصّبُّ منہما

عرب شعرا نے پہاڑوں، ٹیلوں اور دیگر مناظر فطرت کی جو منظر کشی کی ہے اس کی حیثیت فوٹوگرافی سے زیادہ نہیں۔ ان کی منظر نگاری بے جان ہے۔ مگر اندلسی شعرا نے مناظرِ قدرت کو اس طرح پیش کیا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ بالکل انسان کی طرح ان کے پہلو میں ایک دردمند دل دھڑکتا ہے۔ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انسان کو جتنی بھی تکالیف اور اذیتوں اور کلفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ نہ صرف اس کو سمجھ لیتے ہیں بلکہ اس پر اظہارِ ہمدردی بھی کرتے ہیں۔ وہ انسان کو تسلی و تشفی دیتے ہیں۔ غرض شعرائے اندلس فطرت کو فعال، متحرک اور زندہ تصور کرتے ہیں۔ ابن خفاجہ کے ہی ان اشعار کو دیکھیے جن میں ایک پہاڑ ایک مصیبت زدہ کی ڈھارس باندھتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک انسان ہی

تسلی دیتا ہے:

وَ قال الا کم کنتُ مُلجأُ قاتل — و مَوْطِنُ آواءٍ تبتّلَ تائب

وکم مَرّ بی من مُدلجٍ و مؤوّب — و قال بطلتی من مطیّ وراکب

ولاطم من نکب الریاح معاطفی — وزاحم من خُضرِ البحار غوارب

فماکان الا ان طوتهم یدُ الرّدیٰ — وَطارت بهم ریحُ النویٰ والنوائب

فماخفق أیکی غیر رجفةٍ أضلعٍ — و لانوح ورقی غیر صرخةِ نادب

وَمَا غیض السلوان دمعی وإنما — نزفتُ دموعی فی فراق الصواحب

وحتیٰ متی ارعی الکواکب ساهراً — فمن طالعٍ اُخریٰ اللیالی وغائب

فأسمع من وعظه کُلّ عبرةٍ — یترجمها عنه لسان التجارب۔

شعرا نے مناظر فطرت کی توصیف کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ وہ دوسرے مقاصد کے تحت بھی نیچرل شاعری کو کام میں لائے۔ چنانچہ غزل، مرثیہ، عتاب اور قصیدہ میں بھی فطرت کی جلوہ گری ہم دیکھتے ہیں۔ ابن بقی کو غرناطہ کے ایک حاکم کی مدح کرنا ہوتی ہے تو اس کے آغاز میں مناظر فطرت مثلاً برق، فاختہ، رات اور ستاروں کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے:

یاریح حب الی البرق ـــــ له نظر — وفی البکاء مع الورق ـــــ له نظر

من اجل بعدی عن صحبی — بکیتُ دماً

کمْ لی هُنالك من سرب — ووصل دُمی

وعسکر اللیل فی الغرب — قد انهزما

والصّبح قد فاض فی الشرق له نهرٌ — وسال من انجم الافق دمٌ کدرٌ

حاصل کلام یہ کہ شعرائے اندلس نے جہاں ایک طرف قدیم طرز کی مشرقی و روایتی شاعری کے موتی لٹائے مگر اس میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کی، وہیں "زجل" اور "موشحات" کے نام سے دو کامیاب اصناف سخن کی بنیادیں ڈالیں اور اس میں کمال فن کا مظاہرہ کیا۔ یہ اصناف مظاہر فطرت اور جمال کائنات کی مصوری میں عدیم المثال ہیں۔ حب الوطنی کے عناصر بھی ان میں موجود ہیں۔ بحیثیت مجموعی اندلسی ادب کی روح ان کی فطرت پسندی اور نیچرل شاعری میں ہے مخیت

کا خصوصی وصف ہے۔ اس نئے موڑ نے تمام مغربی زبانوں کو متاثر کیا، افلاطونی عشق، تخیلیت
.رومان پسندی میں اندلس کی اس جدید شاعری نے نکھار پیدا کیا۔ فرانس کی طربیہ شاعری
ویں صدی تک علی الخصوص اندلس کی عربی شاعری سے متاثر رہی جہاں عربی اسلوب کی فخریہ
یدا کی جاتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اندلس کے عربی شعرا ہی نے پورے یورپ کو فطرت پسندانہ روایات
ایات سے روشناس کرایا۔ مغربی ادب میں رومانیت کے عناصر کے فروغ میں اندلسی شاعری
اہمیت واضح ہے، اس سے انکار ناقدر شناسی اور کفرانِ نعمت سے کم نہیں۔

برّصغیر کے ایک عظیم شاعر اقبالؒ کی بہت سی نظموں پر اندلسی شاعری کا عکس یقیناً پڑا ہے۔
ض نظمیں تو ترجمہ سی لگتی ہیں۔ اقبال نے بھی مناظرِ فطرت بیان کرتے اپنے درددل کو بھی
ان کیا ہے اور کہا ہے:

گھر بنایا ہے سکوتِ دامنِ کہسار میں — آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں
ہم نشینِ نرگسِ شہلا، رفیقِ گل ہوں میں — ہر چمن میرا وطن، ہمسایۂ بلبل ہوں میں
شام کو آوازِ چشموں کی سلاتی ہے مجھے — صبح فرشِ سبز سے کوئل جگاتی ہے مجھے
ہم وطن شمشاد کا، قمری کا میں ہمراز ہوں — اس چمن کی خامشی میں گوش برآواز ہوں
کچھ جو سنتا ہوں تو اوروں کو سنانے کے لیے — دیکھتا ہوں کچھ تو اوروں کو دکھانے کے لیے

راجع و مصادر

۱۔ تاریخ الادب الاندلسی ۔ ڈاکٹر احسان عباس ۔ طبع بیروت ۱۹۷۳ء۔
۲۔ تاریخ الادب الاندلسی (عصر الطوائف والمرابطین) ۔ ڈاکٹر احسان عباس ۔ بیروت ۱۹۷۴ء۔
۳۔ تاریخ الادب العربی ۔ احمد حسن الزیات ۔
۴۔ الطبیعۃ فی الشعر العربی ۔ ڈاکٹر جودت الرکابی
۵۔ عربک پوئٹری آف اسپین اینڈ نارتھ افریقہ ۔ ترتیب شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۔
۶۔ کلیاتِ اقبال (اردو)
۷۔ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ ۔ ۱۹۰۱ء، مئی و جون ۱۹۷۳، نومبر ۱۹۷۴